معاشرے کے بنیادی اخلاقیات پر مولانا مودودی کے کام کا تجزیاتی مطالعہ

An In-depth Analysis of Maulana Maududi's Exploration of Fundamental Societal Ethics.

1. Inayat ur Rahman

PhD Scholar Department of Islamic Thought and Civilization School of Social Sciences and Humanities (SSH) UMT Lahore

Email: inayatbary@gmail.com

2. Abdullah Ismail

M.S Usooluddin Hadith, International Islamic University Islamabad.

abdullahroghani@gmail.com

3. **Ghulam Mustafa**

PhD Scholar Department of Fiqh and Sharia The Islamia University of Bahawalpur

Email: minqilabi123@gmail.com

ABSTRACT

To bring happiness to human life, it is essential to establish basic ethics within society. If society becomes corrupt, life will deteriorate swiftly. Throughout history, influential thinkers have explored societal structures and their essential components. Notably, the name of Allama Ibn Khaldun stands out. As the 20th century society ventured into the realm of science, it gave rise to numerous questions and concerns, yet even before that, human thoughts had already left their impact.

Maulana Syed Abul Ala Maududi emerges as a brilliant figure of the 20th century, who extensively addressed societal decay and the decline of human life quality. Indeed, his work vividly portrays the suffering inherent in deteriorating societies.

One of Maulana Syed Abu Ala Maududi's significant achievements lies in his comparative analysis of Western and Eastern societies in terms of reformation efforts. He adopted a comprehensive perspective on this matter. Consequently, it

became apparent that societal values hold great importance, influencing the transformation brought about by individuals of both positive and negative influence. The subsequent lines emphasize the pivotal role of society after the family unit, underscoring the need to comprehend its fundamental requisites. Such understanding is indispensable for fostering human development within the framework of society.

Keywords: society, basic ethics, Sayyed Abul Ala Maududi, rise and fall, good and evil.

مولانا مودودی کا شمار بیسویں صدی کے بڑے پایے کے علما میں ہوتا ہے۔ کسی بھی مسئلہ کو حل کرنے کے لیے ان کا منہج یہ ہوتا تھا کہ

وہ اگرچہ کلی طور پر مقلد نہیں تھے لیکن فقہائے اربعہ میں سے کسی بھی امام کی رائے کو دلائل کی بنا پر ترجیح دیتے ہیں، اور اکثر امام ابو حنیفہؒ کی آراء کو اختیار کیے رکھا، کوئی نیا فقہ ایجاد نہیں کیا، یعنی مولانا نے کوئی تفرد اختیار نہیں کیا، بلکہ کسی امام کی رائے کو اختیار کیا ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تقلید میں وہی طرز عمل اختیار کیا جو ائمہ کو مطلوب تھا کہ جو بات قرآن و سنت کے ساتھ متصادم ہو وہ دیوار پر مار دیں۔ اور جیسا کہ آئمہ میں سے ہر ایک نے یہی کہا ہے کہ جو حدیث صحیح ہو وہ میرا مذہب ہے۔ مولانا نے دین آسان اور عام فہم انداز میں سمجھانے کی کوشش کی، جسے تجدید کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اسی وجہ سے موجودہ دور کے مسائل کے حل کرنے میں ان کا بنیادی کردار ہے۔

سب سے پہلے یہ جاننا از حد ضروری ہے کہ معاشرہ کیا ہے۔ کسی چیز کو جانے اور سمجھے بغیر اس پہ وہ بحث نہیں ہو پاتی جو جاننے کے بعد ہو سکتی ہے۔ اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ کسی چیز کی تعریف سے پہلے اس کے متعدد مفہوم و معانی نکالے یا بغیر اسے سمجھے، کوئی قیاس آرائی کی جائے، مجہول مطلق کی طلب ہے اور مجہول مطلق کی طلب ایک عبث سعی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے معاشرے کی تعریف اور اس کے اہم عناصر بیان کیے جاتے ہیں۔

عربی میں معاشرے کو مجتمع کہا جاتا ہے، جس کی لغوی و اصطلاحی تعریفیں درج ذیل ہیں۔

تعریف لغوی

لغوی:" مجتمع کا لفظ "جمع" سے مشتق ہے جس کا معنی ہے

"اجتماع الناس علی شکل جماعۃ "

لوگوں کی جماعتی شکل میں جمع ہو جانا۔

اصطلاحی تعریف

اصطلاح میں معاشرہ اور مجتمع کا معنی ہے:

" مجموعة من الناس، يرتبطون معاً بالعادات، والتقاليد، والأحكام الأخلاقيّة، ويحترمون بعضهم البعض، ويشكّلون في الحي، أو القرية، أو المدينة التي يعيشون فيها جزءاً من أجزاء الحياة الاجتماعيّة"[1]۔

لوگوں کا ایسا مجموعہ ،جو عادات ،اطوار اور اخلاقیات کے باہمی موافقت کی وجہ سے مربوط ہوں۔اور سب ایک دوسرے کے احترام کرنے والے ہوں۔جو ایک گاؤں، محلے یا شہر کی شکل اختیار کر کے سماجی زندگی کا حصہ ہوں۔

یعنی کچھ لوگوں کے مزاج، رسم ورواج ایک دوسرے کے ساتھ موافق ہوں، جس کی وجہ سے وہ ایک اجتماعیت میں رہتے ہیں، اور اس اجتماعیت میں احترام کا رشتہ ہو، اس کو معاشرہ کہا جاتا ہے۔

معاشرے کے عناصر

افراد

معاشرے کے عناصر میں سب سے زیادہ اہمیت افراد کو حاصل ہے۔افراد کے بغیر تعمیرات ، منازل اور خطوں کی اجتماعیت کو معاشرہ کہنا ممکن ہی نہیں۔کیونکہ یہ انسان ہی کی صفت ہے، جو اس کو تشکیل دے سکتا ہے۔

جغرافیہ

فرد جغرافیہ کا محتاج ہوا کرتا ہے، لھذا اس کے لیے ایک ایسا خلا بھی ہونا چاہیے جہاں وہ اپنی زندگی کا قیام کرے، جہاں وہ اپنے لیے مسکن بنا دئے، اسی طرح وہاں رزق کی تلاش کر سکے۔

طبعی عناصر

زمین اور جغرافیہ معاشرے کے عناصر ہیں، لیکن یہ انسانیت کے قیام کے لیے صرف کافی ہی نہیں بلکہ ضروری ہیں۔ نباتات، درخت، جن سے انسان غذائی استفادہ کرتا ہے، کے علاوہ یہ جغرافیہ اور زمینی سطح پانی، پہاڑ اور میدانوں پر مشتمل ہو۔

تعلقات

ایسے تعلقات جو انسان ایک طرف اپنے ماحول کے ساتھ اور دوسری طرف اپنے انسان بھائی کے ساتھ رکھتا ہے۔ اس کو مجتمع "معاشرہ" کا نام دیا گیا ہے۔یعنی معاشرہ اس کو کہا جاتا ہے جہاں لوگوں کی اجتماعیت اور ربط موجود ہو۔اصل میں مجتمع "معاشرہ" کا لفظ لوگوں کے درمیان ربط کی وجہ سے اجتماع الناس کی طرف منسوب ہے۔اسی وجہ سے ازدواجی تعلقات معاشرے کے اہم ترین تعلقات سمجھے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے مرد اور عورت جمع ہو کر ایک خاندان اور کنبہ بن پاتے ہیں۔

قوانین وضوابط

کسی بھی معاشرے کی بقا ایسے قواعد وضوابط کے بغیر ممکن نہیں، جن کی وجہ سے افراد کی زندگی منظم ہو جاتی ہے۔ اور ان ذمہ داریوں کی نوعیت عائد ہوتی ہے، جو خود اپنے لیے اور دوسروں کے لیے درکار ہوتی ہیں۔اسی طرح ان سارے عناصر کے حقوق کی نوعیت جو اس میں رہ رہے ہوتے ہیں۔

اگر یہ نہ ہو تو پھر انسانی معاشرے مجرد خام خیالی ہیں۔ان کا کوئی کردار اور اہمیت ہی نہیں ہے۔اور نہ اس کی کوئی شناخت ہے جس کی وجہ سے لوگ اسے پہچان سکیں۔(2)

معاشرہ کی اہمیت

انسان کی فطرت میں یہ شامل ہے کہ یہ الگ تھلگ رہ نہیں سکتا بلکہ اجتماعیت اور جوڑے کے ساتھ رہنا پسند کرتا ہے۔اسی وجہ سے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ابتدائی آفرینش سے شریک حیات کا بندوبست کیاہوا ہے۔اور جائز بھی قرار دیاہے کہ ایک دوسرے سے احسن طریقے اور خوشی کے ساتھ اجتماعیت سے زندگی گزارے۔

ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی صاحب معاشرے کی اہمیت واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"انسان فطری طور پر اجتماعیت پسند ہے۔یہی فطری تقاضا اسے اجتماعی زندگی گزارنے پر مجبور کرتا ہے۔جب سے روئے زمین پر انسان کا وجود ہوا ہے وہ دوسرے افراد کے ساتھ مل کر زندگی گزارتا رہا ہے۔وہ الگ تھلگ تنہا رہ کر زندگی گزار ہی نہیں سکتا۔تاریخ کے کسی ایسے دور کی نشان دہی نہیں کی جاسکتی جب اس نے انفرادی زندگی گزاری ہو۔اسی باہمی ربط تعلق سے انسانی معاشرہ تشکیل پاتا ہے"([3])

انسان کی اجتماعیت پسندی کے اسباب

انسان کی اجتماعیت پسندی کے اسباب کے بارے میں ڈاکٹر رضی الاسلام صاحب کہتے ہیں:

"ماہرینِ سماجیات نے انسان کی اجتماعیت پسندی کے دواسباب بیان کیے ہیں:ایک سبب خارجی ہے اور دوسرا داخلی۔

خارجی سبب

وہ اپنی جسمانی ساخت کے اعتبار سے کم زور واقع ہوا ہے۔دیگر حیوانات کو تو ان کی جسمانی ساخت کے لحاظ سے اس طرح مسلّح کر دیا گیا ہے کہ وہ دوسروں کے حملوں اور مشکل حالات کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔کسی کو کچلیاں عطا کی گئی ہیں تو کسی کو پنجے اور نوکیلی چونچیں،کسی کو بال و پر دیے گئے ہیں تو کوئی بے پناہ طاقت کا حامل ہے۔غرض ان خصوصیات اور سہولیات کی بنا پر وہ محفوظ زندگی گزار سکتے ہیں اور گرمی و سردی اور دیگر قدرتی عوامل کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔لیکن انسان چوں کہ ان قدرتی ہتھیاروں سے محروم ہے،اس لیے وہ نہ تو تنہا دوسروں کے حملوں کا دفاع کر سکتا ہے نہ قدرتی عوامل کا مقابلہ کرنے پر قادر ہے۔

داخلی سبب

اس کے اندر اپنے ابنائے نوع کے ساتھ مل جل کر رہنے کی جبلّی خواہش پائی جاتی ہے۔ وہ انفرادیت اور تنہائی سے گریزاں رہتا ہے۔ اجتماعیت کا حقیقی شعور اس کے خمیر میں موجود ہے"[4]

اس سے معلوم ہوا کہ انسان فطری طور پر مدنی الطبع ہے وہ اپنی ذاتی اور فطری خواہش کی مجبوری کی وجہ سے اجتماعیت پسند ہے۔ اور ان چیزوں کی وجہ سے وہ دوسروں کا محتاج بھی ہے۔ ایک تو اس کی ذاتی مجبوری ہے اور دوسری اس کی فطری خواہش جوڑے کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ بصورت دیگر اس کے لیے زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلام نے بھی انسان کی فطرت کے مطابق اس کے لیے اجتماعیت میں رہنے کے لیے وہی اصول بنا رکھے ہے، کہ جس کی رعایت کرتے ہوئے انسان حقیقی فلاحی، خوشحال اور محبت والفت والی زندگی گزار سکتا ہے۔

غیر مسلم مفکرین کی معاشرتی تعلیمات

ڈاکٹر خالد علوی اپنی کتاب "اسلام کا معاشرتی نظام" میں مختلف مغربی مفکرین کی معاشرتی خدمات اور علوم کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں:

"ان سب مفکرین کے سامنے مرکزی سوال یہ تھا کہ سوسائٹی ایک منظم صورت پیش کرتے ہوئے اپنے آپ کو کس طرح مربوط رکھ سکتی ہے؟ یہ سوال آج بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا ان کے عہد میں تھا۔

درخائیم کے نظریات نے ایک مکتب فکر کو جنم دیا جو افادیت پسندی (Functionalism) کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ کیونکہ درخائیم یہ دیکھتا تھا کہ معاشرے کے مختلف ادارے کس طرح کام کرتے ہیں۔ Mead کے نظریات "Symbolic interactionists" کو وجود میں لائے۔ یہ لوگ اس امر کا جائزہ لیتے ہیں کہ لوگ اپنے روزمرہ کے معمولات کس طرح ادا کرتے ہیں۔ مارکس کے نظریات نے "Critical sociology" کو وجود پذیر کیا جس میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ حکمران گروہ معاشرے پر کس طرح غلبہ پاتا ہے۔ ویبر کے نظریات نے کسی مکتب فکر کو تو نہیں پیدا کیا لیکن اس کے نظریات نے ہر جگہ اپنا اثر دکھایا ہے"[5]

اصل میں یہ ان مفکرین کے خیالات ہیں جو مسلمان نہیں ہیں، لیکن ان کی فطرت انھیں اس پر مجبور کر دیتی ہے کہ وہ انسانیت کی اجتماعیت کے بارے میں معلوم کریں کہ انسان ایک اچھی اجتماعیت کیسے بنا سکتا ہے۔ ان کے روزمرہ معمولات کیا ہوتے ہیں، اور حکومت ایک معاشرے پر غلبہ کیسے پاتی ہے۔ پھر اسلام میں ان سب چیزوں کا حل اور صحیح سمت وہی ہے جو ایک اجتماعیت کے لیے کارآمد اور مفید ہوتا ہے۔

اسلام کا معاشرتی نظام

اوپر مطلق معاشرے کی تعریف، عناصر اور مختلف مفکرین کے کام کا جائزہ لیا گیا، اس کے بعد اسلامی معاشرے پہ بحث کرتے ہوئے مولانا مودودی کی معاشرتی تعلیمات کا جائزہ لیا جاتا ہے، کہ مولانا مودودی نے اس حوالے سے کیا کیا تعلیمات دی ہیں، یا اسلامی تعلیمات کی کیا تشریحات پیش کی ہیں۔ اور ایک اسلامی معاشرے کی خصوصیات، عناصر اور ادارے کیا ہیں؟ اور ان کے درمیان تعلقات کیسے ہونے چاہییں۔ مولانا مودودی "اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات" میں اسلام کے معاشرتی نظام کے حوالے سے رقم طراز ہیں، جس کا خلاصہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

تمام انسان بحیثیت انسان برابر ہیں

اصل میں اسلام کے معاشرتی نظام کا سنگ بنیاد جس چیز پر ہے وہ یہ ہے کہ سب انسان ایک آدمؑ اور حواؑ کی اولاد ہیں۔ آغاز میں اس میاں بیوی کی اولاد ایک ہی امت بنی رہی۔ سب کا ایک ہی رہن سہن تھا، ایک دین کے پیروکار تھے اور ایک ہی زبان بولتے تھے۔ یہاں تک ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا لیکن جوں جوں ان کی نسل پھیلتی رہی، تو قدرتی طور پر ان میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ یعنی ان کے رہن سہن کے طور طریقے الگ ہو گئے۔ اسی طرح مختلف جگہوں اور مختلف آب وہوا کے اختلاف کی وجہ سے ان کے رنگ روپ اور خدوخال اور طبیعتوں کے درمیان ایک قدرتی اختلاف پیدا ہو گیا۔ اور یہ اختلاف چونکہ فطری ہے۔ دنیا میں اس کا وجود واقع ہو کر رہتا ہے۔ اس لیے

اسلام میں اس کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔اس کی پوری وضاحت کرتے ہوئے مولانا مودودی اپنی کتاب اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات میں تحریر کرتے ہیں:

"یہ سب اختلافات فطرتی اختلافات ہیں۔واقعات کی دنیا میں موجود ہیں۔اس لیے اسلام ان کو بطور ایک واقعے کے تسلیم کرتا ہے۔وہ ان کو مٹانا نہیں چاہتا، بلکہ ان کا یہ فائدہ مانتا ہے کہ انسان کا باہمی تعارف اور تعاون اسی صورت سے ممکن ہے۔لیکن اختلافات کی بنا پر انسانوں میں نسل، رنگ، زبان، قومیت اور وطینت کے جو تعقات پیدا ہو گئے ہیں، ان سب کو اسلام غلط قرار دیتا ہے۔انسان اور انسان کے درمیان اونچ نیچ، شریف اور کمین، اپنے اور غیر کے جتنے فرق پیدائش کی بنیاد پر کر لیے گئے ہیں، اسلام کے نزدیک یہ سب جاہلیت کی باتیں ہیں۔وہ تمام دنیا کے انسانوں سے کہتا ہے کہ تم سب ایک ماں اور ایک باپ کی اولاد ہو لہٰذا ایک دوسرے کے بھائی ہو اور انسان ہونے کی حیثیت سے برابر ہو"(6)

انسانوں کے درمیان اصل فرق

درحقیقت انسان تو ایک ہی آدم اور حوا کی اولاد ہے۔ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔بس سب ایک ہی نسل ہے۔انسانوں کے درمیان اگر کوئی فرق ہو سکتا ہے تو وہ اخلاق، خیالات اور اصولوں کا ہو سکتا ہے۔علاقہ، وطن، زبان اور رنگ دو انسانوں کے درمیان نہ فارق ہو سکتے جب تک وہ اصولوں پر متفق ہوں، اور نہ مجتمع ہو سکتے ہیں جب تک کہ وہ اصولوں میں ایک نہ ہوں۔مولانا مودودی اسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"ایک ماں کے دو بچے اپنے نسب کے لحاظ سے چاہے ایک ہوں لیکن اگر ان کے خیالات اور اخلاق ایک دوسرے سے مختلف ہیں تو زندگی میں دونوں کی راہیں الگ ہو جائیں گی۔اس کے برعکس مشرق اور مغرب کے انتہائی فاصلے پر رہنے والے دو انسان اگرچہ ظاہر میں کتنے ہی ایک دوسرے سے دور ہوں لیکن اگر ان کے خیالات متفق ہیں اور اخلاق ملتے جلتے ہیں تو ان کی زندگی کا راستہ ایک ہو گا۔اس نظریے کی بنیاد پر اسلام دنیا کے تمام نسلی، وطنی اور قومی معاشروں کے برعکس ایک فکری، اخلاقی اور اصولی معاشرہ تعمیر کرتا ہے"(7)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام میں اجتماعیت کا تصور یہ ہے کہ لوگوں کے تصورات اور خیالات ایک ہوں۔ ایک اللہ پر ایمان رکھنے والے ہوں، اگر چہ جسمانی طور پر بعد المشرقین اور بعد المغربین کیوں نہ ہوں، لیکن یہ ایک ہی قوم ہے۔ جس کی وجہ سے اصولی معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔

اسلامی معاشرہ بے مثال اخلاق کا حامل

واحد اسلامی معاشرہ ہے کہ خیالات، اخلاق اور اصولوں میں موافق لوگوں کو ان کے حقوق دینے کے ساتھ ساتھ انسانی رشتے کے ناطے غیر موافق لوگوں کو بھی ضروری حقوق فراہم کرتا ہے۔ اسلامی معاشرہ بلند اخلاق کا درس دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے غیر لوگ بھی متاثر ہو کر اسلام کے دائرے میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یعنی غیروں کو بھی ان کے حقوق بہم پہنچاتا ہے۔ مولانا مودودی "اسلامی نظام زندگی" میں لکھتے ہیں:

"اسلامی معاشرہ ایک ایسا معاشرہ ہے جو نسل ورنگ اور زبان کی حدبندیوں، اور جغرافی سرحدوں کو توڑ کر روئے زمین کے تمام خطوں پر پھیل سکتا ہے، اور اس کی بنیاد پر انسانوں کی ایک عالمگیر برادری قائم ہو سکتی ہے۔ نسلی اور وطنی معاشروں میں تو صرف اسی نسل یا وطن میں پیدا ہونے والے لوگ شامل ہو سکتے ہیں۔ اس سے باہر کے لوگوں پر ایسے معاشرے کا دروازہ بند ہوتا ہے۔ مگر اس فکری اور اصولی معاشرے میں ہر وہ شخص برابر کے حقوق کے ساتھ شامل ہو سکتا ہے، جو ایک عقیدے اور ایک اخلاقی ضابطے کو تسلیم کرے۔ رہے وہ لوگ جو اس عقیدے اور ضابطے کو نہ مانیں تو یہ معاشرہ انھیں اپنے دائرے میں نہیں لیتا۔ مگر انسانی برادری کا تعلق ان کے ساتھ قائم کرنے اور انسانیت کے حقوق انھیں دینے کے لیے تیار ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ایک ماں کے دو بچے اگر خیالات میں مختلف ہیں تو ان کے طریق زندگی بہر حال مختلف ہوں گے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے بھائی نہیں رہے، بلکہ اسی طرح نسل انسانی کے دو گروہ یا ایک ملک میں رہنے والے لوگوں کے دو گروہ بھی اگر عقیدے اور اصول میں اختلاف رکھتے ہیں تو ان کے معاشرے یقینا الگ ہوں گے مگر انسانیت بہر حال ان میں مشترک رہے گی۔ اس مشترک انسانیت کی بنا پر زیادہ سے زیادہ جن حقوق کا تصور کیا جاسکتا ہے وہ سب اسلامی معاشرے نے غیر اسلامی معاشروں کے لیے تسلیم کیے ہیں"(8)

معاشرے کے اہم ادارے اور رہن سہن کے اسلامی اصول

معاشرہ اجتماعیت میں اصولوں کے ساتھ رہنے کا نام ہے۔ابھی اس کی وضاحت ضروری ہے کہ اس اجتماعیت میں کون کون سے لوگوں سے واسطہ پڑے گا۔اور ان کے درمیان تعلقات ،معاملات اور معاشرت کے کیا اصول ہوں گے۔

خاندان

معاشرے کا بنیادی ادارہ خاندان ہے،جو ایک مرد اور عورت کے ملنے سے وجود میں آتا ہے۔ پھر اس سے نسل وجود میں آتی ہے اور اس سے آگے جاکے رشتے اور برادریوں کے تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں۔اور پھر اسی سے معاشرہ وجود میں آتا ہے۔مولانا مودودیؒ خاندان کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"یہ ایک حقیقت ہے کہ خاندان ہی انسانی تمدن کی جڑ ہے۔اور اس جڑ کی صحت وطاقت پر خود تمدن کی صحت اور طاقت کا مدار ہے۔اسی لیے اسلام معاشرتی مسائل میں سب سے پہلے اس امر کی طرف توجہ کرتا ہے کہ خاندان کے ادارے کو صحیح ترین بنیادوں پر قائم کیا جائے"[9]

معاشرتی ذمہ داری کے لیے مرد اور عورت کا تعلق

شریعت اسلامی مرد اور عورت کے اس تعلق کو صحیح سمجھتی ہے جس میں معاشرتی تقاضے اور ذمہ داریاں قبول کر کے ایک خاندان کی بنیاد بن جائے۔ اسلام نے ہر غیر ذمہ دارانہ تعلق کو انسانی تمدن،اجتماعیت اور معاشرے کی جڑ کاٹ دینے والا فعل قرار دے کر حرام اور قانونی جرم قرار دے دیا ہے۔ اس کے لیے سخت سزائیں بھی مقرر کیں ،تاکہ ایسے تمدن کش تعلقات رائج نہ ہونے پائیں۔ جس کا بنیادی مقصد خاندانی نظام کو مضبوط اور محفوظ کرنا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نکاح کو صرف جائز نہیں بلکہ عبادت قرار دیا ہے۔مولانا مودودی اس کے حوالے سے کہتے ہیں:

"نکاح کو اسلام محض جائز ہی نہیں بلکہ اسے ایک نیکی ،ایک کارثواب ،ایک عبادت قرار دیتا ہے۔ سن بلوغ کے بعد مرد اور عورت کے مجرد رہنے کو ناپسند کرتا ہے۔اسلام رہبانیت کو نیکی نہیں سمجھتا بلکہ اسے فطرت اللہ کے خلاف ایک بدعت ٹھہراتا ہے۔وہ ان تمام رسموں اور رواجوں کو بھی

سخت ناپسند کرتا ہے جن کی وجہ سے نکاح ایک مشکل اور بھاری کام بن جاتا ہے۔اس کا منشا یہ ہے کہ معاشرے میں نکاح کو آسان ترین اور زنا کو مشکل ترین فعل ہونا چاہیے نہ کہ نکاح مشکل اور زنا آسان ہو۔ مہر اور جہیز اس قدر ہلکے رکھنے کا حکم دیا ہے جنھیں فریقین آسانی سے برداشت کر سکیں اور رسم نکاح ادا کرنے کے لیے کسی قاضی، پنڈت، پروہت یا دفتر رجسٹر کی کوئی ضرورت نہیں رکھی۔ اسلامی معاشرے کا نکاح ایک ایسی سادہ سی رسم ہے جو ہر کہیں دو گواہوں کے سامنے بالغ زوجین کے ایجاب وقبول سے انجام پا سکتی ہے مگر لازم ہے کہ یہ ایجاب وقبول خفیہ نہ ہوں بلکہ بستی میں اعلان کے ساتھ ہو"[(10)]

مرد گھر کا ناظم

اسلام چونکہ حکیم ذات کا بھیجا ہوا دین ہے۔اور اس کا منشا یہ ہے کہ ہر حکم میں ایک نظم وضبط اور تنظیم ہو۔کوئی ادارہ، عمل اور معاشرہ بے ڈھنگ نہ ہو۔ روز اول سے دنیا کا نظام اسی طرح چل رہا ہے۔ ایک سیکنڈ کے لیے اللہ کے حکم کے بغیر کوئی چیز ہل نہیں سکتی۔اسی لیے خاندان کو بھی معاشرے میں ایک بڑی حیثیت حاصل ہے، اس کو لامحالہ منظم اور منضبط کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جس کے لیے ناظم مرد کو بنایا ہے۔اسی تناظر میں سید مودودی لکھتے ہیں:

"ایسے ڈھیلے ڈھالے نظام خاندانی کو اسلام پسند نہیں کرتا جس میں کوئی انضباط نہ ہو۔ نظم بہر حال ایک ذمہ دار ناظم ہی سے قائم ہو سکتا ہے۔اور اسلام کے نزدیک اس ذمہ داری کے لیے خاندان کا باپ ہی فطرۃً موزوں ہے۔ مگر اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ مرد کو گھر کا ایک جابر و قاہر فرماں روا بنادیا گیا ہے، اور عورت ایک بے بس لونڈی کی حیثیت سے اس کے حوالے کر دی گئی ہے۔"[(11)]

دوسرا ادارہ رشتہ

خاندان کی تحدید سے باہر سب سے قریب ترین سرحد رشتہ داری ہے۔اور اس کا دائرہ پھر تھوڑا سا وسیع ہے کہ والدین بھائی بہنوں یا سسرالی تعلق کی وجہ سے ایک دوسرے کے رشتہ دار بن جاتے ہیں۔اسلام چاہتا ہے کہ یہ سب ایک دوسرے سے رشتہ داری بھی نبھائیں اور ایک دوسرے کے ہمدرد بھی ہوں۔اولی القربیٰ یعنی رشتہ داروں کے حوالے سے قرآن بار بار حکم دیتا ہے۔اسی طرح بہت ساری احادیث میں رشتہ نبھانے کی تاکید آئی ہے۔ابوہرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا "وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ"[12] ترجمہ: جو لوگ اللہ اور رسول پر ایمان رکھتے ہیں، وہ رشتوں کو جوڑیں۔

لیکن صلہ رحمی اور رشتہ داروں کی بے جا طرف داری نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ اور رسول کے حکم کو سامنے رکھنا چاہیے۔ مولانا مودودی "اسلامی نظام زندگی" میں لکھتے ہیں:

"اس کے معنی یہ بھی نہیں کہ رشتہ داروں کی بے جا طرف داری کوئی اسلامی کام ہے۔ اپنے کنبے قبیلے کی ایسی حمایت جو حق کے خلاف ہو، اسلام کے نزدیک جاہلیت ہے۔ اسلام جس صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے، وہ اپنی ذات سے ہونی چاہیے اور حق وانصاف کی حد کے اندر ہونی چاہیے"[13]

تیسرا ادارہ ہمسائیگی

معاشرے کے اہم اداروں میں ایک ادارہ ہمسائیگی ہے۔ مولانا مودودیؒ اس کی وضاحت کرتے ہیں:

"رشتہ داری کے تعلق کے بعد دوسرا قریب ترین تعلق ہمسائیگی کا ہے۔ قرآن کی رو سے ہمسایوں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک رشتہ دار ہمسایہ، دوسرا اجنبی ہمسایہ، تیسرا وہ عارضی ہمسایہ جس کے پاس بیٹھنے یا ساتھ چلنے کا آدمی کو اتفاق ہو اور یہ تینوں قسمیں احسان کے مستحق ہیں کہ ان کے ساتھ نیکی کا سلوک کیا جائے۔ ان کے ساتھ ہمسائیگی کے حقوق نبھائے جائیں"[14]

پھر مولانا مودودی اس پوری بحث کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے تجزیہ کرتے ہیں:

"مختصر یہ کہ اسلام ان سب لوگوں کو جو ایک دوسرے کے پڑوسی ہوں آپس میں ہمدرد، مددگار اور شریک رنج وراحت دیکھنا چاہتا ہے۔ ان کے درمیان ایسے تعلقات قائم کرنا چاہتا ہے کہ وہ سب ایک دوسرے پر بھروسہ کریں اور ایک دوسرے کے پہلو میں اپنی جان، مال اور آبرو کو محفوظ سمجھیں، رہی وہ معاشرت جس میں ایک دیوار بیچ رہنے والے دو آدمی برسوں ایک دوسرے سے ناآشنا رہیں اور جس میں ایک محلے کے رہنے والے باہم کوئی دلچسپی، کوئی ہمدردی اور کوئی اعتماد نہ رکھتے ہوں تو ایسی معاشرت ہرگز اسلامی معاشرت نہیں ہو سکتی" [15]

معاشرے کی اصلاح کے لیے قوانین

سورۃ النور کے موضوع ومباحث بیان کرتے ہوئے اس سورۃ میں معاشرے کی اصلاح کے لیے جو قوانین وضع کر دیے گئے ہیں، مولانا مودودیؒ ان کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب واقعہ افک سے مدینے کے معاشرے میں ایک ہلچل برپا ہوئی، تو یہ سورۃ نور اخلاق ،معاشرت اور قانون کے ایسے احکام وہدایات کے ساتھ نازل فرمائی گئی جس کا مقصد یہ تھا کہ اول تو مسلم معاشرے کو برائیوں کی پیداوار اور ان کے پھیلاؤ سے محفوظ رکھا جائے ،اور اگر وہ پیدا ہو ہی جائیں تو پھر ان کا پورا پورا تدارک کیا جائے"

اور پھر مولانا آگے بالترتیب ذکر کر رہے ہیں:

1)زنا، جسے معاشرتی جرم پہلے ہی قرار دیا جا چکا تھا(سورۃ النساء 15-16)اب اس کو فوج داری جرم قرار دے کر اس کی سزا سو(100)کوڑے مقرر کر دی گئی۔

2)بدکار مردوں اور عورتوں سے معاشرتی مقاطعے کا حکم دیا گیا ،اور ان کے ساتھ رشتہ مناکحت جوڑنے سے اہل ایمان کو منع کر دیا گیا۔

3)جو شخص دوسرے پر زنا کا الزام لگائے اور پھر ثبوت میں چار گواہ نہ پیش کر سکے ،اس کے لیے 80 کوڑوں کی سزا مقرر کی گئی۔

4) شوہر اگر بیوی پر تہمت لگائے تو اس کے لیے لعان کا قاعدہ مقرر کیا گیا۔

5)یہ ہدایت کی گئی کہ آنکھیں بند کر کے ہر شریف آدمی کے خلاف ہر قسم کی تہمتیں قبول نہ کر لیا کرو، اور نہ ان کو پھیلاتے پھرو۔ اس طرح افواہیں اگر اڑ رہی ہوں تو انھیں دبانا اور ان کا سد باب کرنا چاہیے، نہ یہ کہ ایک منہ سے لے کر دوسرا منہ اسے آگے پھونکنا شروع کر دے۔

6)جو لوگ بے ہودہ خبریں اور بری افواہیں پھیلائیں اور مسلم معاشرے میں فحش اور فواحش کو رواج دینے کی کوشش کریں، ان کے متعلق بتایا گیا کہ وہ ہمت افزائی کے نہیں بلکہ سزا کے مستحق ہیں

۔

7)یہ قاعدہ کلیہ مقرر کیا گیا کہ مسلم معاشرے میں اجتماعی تعلقات کی بنیاد باہمی حسن ظن پر ہونی چاہیے۔ ہر شخص بے گناہ سمجھا جائے جب تک کہ اس کے گناہ گار ہونے کا ثبوت نہ ملے۔ نہ یہ کہ ہر شخص گناہ گار سمجھا جائے، جب تک کہ اس کا بے گناہ ہونا ثابت نہ ہو جائے۔

8)لوگوں کو عام ہدایت کی گئی کہ ایک دوسرے کے گھروں میں بے تکلف نہ گھس جایا کریں بلکہ اجازت لے کر جائیں۔

9)عورتوں اور مردوں کو غض بصر کا حکم دیا گیااور ایک دوسرے کو گھورنے یا جھانک تاک کرنے سے منع کر دیا گیا۔

10)عورتوں کو حکم دیا گیا کہ اپنے گھروں میں سر اور سینہ ڈھانک کر رکھیں۔

11)عورتوں کو یہ بھی حکم دیا گیا کہ اپنے محرم رشتہ داروں اور گھر کے خادموں کے سوا کسی کے سامنے بن سنور کر نہ آئیں۔

12) ان کو یہ بھی حکم دیا گیا کہ باہر نکلیں تو نہ صرف یہ کہ اپنے بناؤ سنگھار کو چھپا کر نکلیں ،بلکہ بجنے والے زیور بھی پہن کر نہ نکلیں۔

13) معاشرے میں عوتوں اور مردوں کے بن بیاہے بیٹھے رہنے کا طریقہ ناپسندیدہ قرار دیا گیا،اور حکم دیا گیا کہ غیر شادی شدہ لوگوں کے نکاح کیے جائیں، حتیٰ کہ لونڈیوں اور غلاموں کو بھی بن بیاہانہ رہنے دیا جائے۔اس لیے کہ تجرد فحش آفریں بھی ہوتا ہے اور فحش پذیر بھی۔ مجرد لوگ اور کچھ نہیں تو بری خبریں سننے اور پھیلانے ہی میں دلچسپی لینے لگتے ہیں۔

14)لونڈیوں اور غلاموں کی آزادی کے لیے مکاتیب کی راہ نکال دی گئی اور مالکوں کے علاوہ دوسروں کو بھی حکم دیا گیا کہ مکاتب غلاموں اور لونڈیوں کی مالی مدد کریں۔

15)لونڈیوں سے کسب کرانا ممنوع قرار دیا گیا۔ عرب میں یہ پیشہ لونڈیوں ہی سے کرانے کا رواج تھا،اس لیے اس کی ممانعت دراصل قحبہ گری کی قانونی بندش تھی۔

16)گھریلو معاشرت میں خانگی ملازموں اور نابالغ بچوں کے لیے یہ قاعدہ مقرر کیا گیا کہ وہ خلوت کے اوقات میں گھر کے کسی مرد یا عورت کے کمرے میں اچانک نہ گھس جایا کریں۔اولاد تک کو اجازت لے کر آنے کی عادت ڈالی جائے۔

17) بوڑھی عورتوں کو یہ رعایت دی گئی کہ اگر وہ اپنے گھر میں سر سے اوڑھنی اتار کر رکھ دیں تو مضائقہ نہیں، مگر حکم دیا گیا کہ تبرج سے بچیں۔ نیز انھیں نصیحت کی گئی کہ بڑھاپے میں بھی اگر وہ اوڑھنیاں اپنے اوپر ڈالے ہی رہیں تو بہتر ہے۔

18)اندھے، لنگڑے،لولے اور بیمار کو یہ رعایت دی گئی کہ وہ کھانے کی کوئی چیز کسی کے ہاں سے بلا اجازت کھالے تو اس کا شمار چوری اور خیانت میں نہ ہو گا،اس پر کوئی گرفت نہ کی جائے۔

19) قریبی عزیزوں اور بے تکلف دوستوں کو یہ حق دیا گیا کہ وہ ایک دوسرے کے ہاں بلا اجازت بھی کھا سکتے ہیں۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے وہ اپنے گھر میں کھا سکتے ہیں۔ اس طرح معاشرے کے افراد کو ایک دوسرے سے قریب تر کر دیا گیا اور ان کے درمیان سے بیگانگی کے پردے ہٹا دیے گئے، تا کہ آپس کی محبت بڑھے اور باہمی اخلاص کے رابطے ان رخنوں کو بند کر دیں جن سے کوئی فتنہ پرداز پھوٹ ڈال سکتا ہو۔[16]

معاشرے کی بری عادتیں اور ان کی اصلاح

معاشرے میں بری عادتوں کی اصلاح کے بارے میں سورۃ احزاب کی مختلف آیتوں کی تشریح کرتے ہوئے

مولانا مودودیؒ رقم طراز ہیں:

"نبی ﷺ کے گھروں میں غیر مردوں کی آمدورفت پر پابندی، ملاقات اور دعوت کا ضابطہ ،ازواج مطہرات کے بارے میں یہ قانون کہ گھروں میں صرف ان کے قریبی رشتہ دار آسکتے ہیں ۔باقی رہے غیر مرد تو انھیں اگر کوئی بات کہنی ہو یا کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے پیچھے سے کہیں یا مانگیں ۔نبی ﷺ کی ازواج کے بارے میں یہ حکم کہ وہ مسلمانوں کے لیے ماں کی طرح حرام ہیں اور حضور ﷺ کے بعد بھی ان میں سے کسی کے ساتھ کسی مسلمان کا نکاح نہیں ہو سکتا"[17]

اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ ازواج مطہرات جو امت کی مائیں ہیں، ان کے لیے یہ پابندی لگائی گئی کہ رشتہ داروں کے علاوہ کسی مرد کی گھر میں آمدورفت پر پابندی ہے۔ امت کی دوسری خواتین کے لیے بھی بطریق اولیٰ یہی حکم بلکہ اس سے سخت حکم ہو سکتا ہے کہ اجنبی مردوں سے کسی بھی تعلق، آزادانہ بات چیت اور بے پردہ ان کے سامنے گھومنے پھرنے سے گریز کیا جائے۔

گھروں میں بے تکلفی

گھروں میں بغیر کسی تکلف کے آنا جانا اسلام کا مزاج نہیں بلکہ یہ جاہلانہ طرز عمل ہے ۔اسی وجہ سے اسلام نے اس

سے منع کیا ہے۔ کیونکہ یہ بہت سارے اخلاقی مفاسد کا موجب بن جاتا ہے۔ مولانا مودودی کہتے ہیں:

"قدیم زمانے میں اہل عرب بے تکلف ایک دوسرے کے گھروں میں چلے جاتے تھے۔ یہ جاہلانہ طریقہ بہت سی خرابیوں کا موجب تھا۔ اور بسا اوقات اس سے بہت گھناؤنے اخلاقی مفاسد کا بھی آغاز ہو جاتا تھا۔ اس لیے پہلے نبی ﷺ کے گھروں میں یہ قاعدہ مقرر کیا گیا، کہ کوئی شخص خواہ وہ قریبی دوست یا دور پرے کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، آپ کے گھروں میں اجازت کے بغیر داخل نہ ہو ۔ پھر سورۃ نور میں اس قاعدے کو تمام مسلمانوں کے گھروں میں رائج کرنے کا عام حکم دے دیا گیا" (18)

اسلام ایک طاہر اور مطہر دین ہے۔ انسان کو ہر قسم گندگی سے بچائے رکھنا چاہتا ہے۔ خواہ وہ اخلاقی گندگی ہو، جسمانی ہو یا کسی اور قسم کی۔ اسی لیے جو کام کسی گندگی کا موجب بن سکتا ہے، اسلام نے منع کر دیا ہے۔ حتیٰ کہ بعض حالات میں وہ جائز کام بھی منع کر دیا ہے جو حرام اور گندگی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

مولانا مودودیؒ اسلامی معاشرت کی اصلاح کے حوالے سے سورۃ احزاب آیت نمبر 59 حاشیہ 111 میں لکھتے ہیں:

"اس مقام پر ذرا ٹھہر کر یہ سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ قرآن کا یہ حکم، اور وہ مقصد حکم جو اللہ تعالیٰ نے خود بیان کر دیا ہے، اسلامی قانون معاشرت کی کیا روح ظاہر کر رہا ہے۔ اس سے پہلے سورۃ النور آیت نمبر 31 میں یہ ہدایت گزر چکی ہے "کہ عورتیں اپنی آرائش وزیبائش کو فلاں فلاں قسم کے مردوں اور عورتوں کے سوا کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں۔ اور زمین پر پاؤں مارتی ہوئی بھی نہ چلیں کہ لوگوں کو اس زینت کا علم ہو جو انھوں نے چھپا رکھی ہے"

اس کے ساتھ سورۃ احزاب کی اس آیت کو ملا کر پڑھا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں چادر اوڑھنے کا حکم ارشاد ہوا ہے، اس کا منشا اجنبیوں سے زینت چھپانا ہی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ منشا اسی صورت میں پورا ہو سکتا ہے جب کہ چادر بنائے خود سادہ ہو۔ ورنہ ایک مزین اور جاذب نظر کپڑا لپیٹ لینے سے تو یہ منشا الٹا اور فوت ہو جائے گی۔ اس پہ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ صرف چادر لپیٹ کر زینت چھپانے ہی کا حکم نہیں دے رہا ہے، بلکہ یہ بھی فرما رہا ہے کہ عورتیں چادر کا ایک حصہ اپنے اوپر سے لٹکا لیا کریں۔ اس سے مقصود گھونگٹ ڈالنا ہے تاکہ جسم ولباس کی زینت چھپنے کے ساتھ ساتھ چہرہ بھی چھپ جائے۔ پھر اس حکم کی علت اللہ تعالیٰ خود بیان فرماتا ہے، کہ یہ وہ مناسب ترین طریقہ ہے جس

سے یہ مسلمان خواتین پہچان لی جائیں گی اور اذیت سے محفوظ رہیں گی۔اس سے خود بخود یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ ہدایت ان عورتوں کو دی جارہی ہے جو مردوں کی چھیڑ چھاڑ اور ان کی نظر بازی اور ان کے شہوانی التفات سے لذت اندوز ہونے کے بجائے اس کو اپنے لیے تکلیف دہ اور اذیت ناک محسوس کرتی ہیں۔جو معاشرے میں اپنے آپ کو آبروباختہ شمع انجمن قسم کی عورتوں میں شمار نہیں کرانا چاہتیں، بلکہ عفت مآب چراغ خانہ ہونے کی حیثیت سے معروف ہونا چاہتی ہوں اور مردوں کی ہوس ناک توجہات حقیقت میں تمہارے لیے موجب لذت نہیں بلکہ موجب اذیت ہیں[19]

اسلامی اجتماعیت کی خصوصیت

مولانا مودودی اسلام کے مزاج کو بیان کرتے ہیں کہ اسلام ایسا مذہب اور دین ہے، جس میں سراسر امن اور خوشحالی ہے، اور اجتماعیت کا وہ عظیم علمبر دار ہے جس میں ہر وہ عامل دفع کیا جاتا ہے جو اجتماعیت کے بجائے انفرادیت کی طرف میلان پیدا کرنے والا ہو۔اپنی کتاب "اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی" میں لکھتے ہیں:

ذات حق وہ غایت الغایات ہے جس کی جانب لاکھوں کروڑوں انسان بیک وقت دوڑ سکتے ہیں بغیر اس کے کہ ان میں کوئی کشمکش، مقابلہ اور مزاحمت ہو، اور کسی ایک شخص کو بھی دوسرے شخص کی ٹھوکر لگے۔بلکہ یہ سفر تو ایسا سفر ہے جس کا ہر مسافر دوسرے مسافر کی مخلصانہ مدد کرتا ہے۔اپنے آرام پر دوسرے کے آرام کو ترجیح دیتا ہے۔اپنی مشقت کو دوسرے کی مشقت کے مقابلے میں گوارہ کرلیتا ہے۔عیش، آرام کے ساتھ جانے سے بدرجہا بہتر اس کو سمجھتا ہے کہ اپنے دوسرے ساتھیوں کا بوجھ ڈھو کر، دوسروں کی خدمت کر کے ہانپتا، کانپتا، عرق عرق منزل مقصود پر پہنچے اور اپنے مالک کی زیادہ سے زیادہ خوشنودی حاصل کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ نسل، رنگ، زبان اور جغرافیائی حدود کے امتیازات کو مٹا کر ایک عالمگیر قومیت کی تعمیر، اور ایک بین الاقوامی انسانی جمعیت کی شیرازہ بندی کے لیے جس مرکزی تخیل کی ضرورت ہے وہ اس نصب العین (یعنی اسلام) میں بدرجہ اتم موجود ہے۔اس قسم کی جہانگیر تہذیب کے لیے اس سے بہتر نصب العین اور کوئی نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ ایک طرف فرد کی انفرادیت کو بالکل فنا بھی نہیں کرتا، اور دوسری طرف انفرادیت کے تمام دافع المرکز میلانات کو مٹا کر اسے ایک خالص بشری اجتماعیت میں پوری طرح ضم بھی کر دیتا ہے۔[20]

معاشرے کی درستگی کی تین اہم چیزیں

سورۃ النحل کی اس آیت "اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی "[21]

کی تشریح کرتے ہوئے مولانا مودودی اس آیت کو معاشرے کی درستگی کی اساس قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"اس مختصر سے فقرے میں تین ایسی چیزوں کا حکم دیا گیا ہے جن پر پورے انسانی معاشرے کی درستی کا انحصار ہے:

(1) "پہلی چیز عدل ہے، جس کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے۔ ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب قائم ہو۔ دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے"

پھر آگے مولانا مودودیؒ عدل کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اردو زبان میں عدل کا مفہوم لفظ "انصاف" سے ادا کرنا سراسر فطرت کے خلاف ہے ۔ دراصل عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن اور تناسب ہے نہ کہ برابری۔ بعض حیثیتوں سے تو عدل بے شک افراد معاشرہ میں مساوات چاہتا ہے ۔ مثلا حقوق شہریت میں ۔ مگر بعض دوسری حیثیتوں سے مساوات بالکل خلاف عدل ہے ، مثلا والدین اور اولاد کے درمیان معاشرتی واخلاقی مساوات ، اور اعلیٰ درجے کی خدمات انجام دینے والوں اور کم تر درجے کی خدمت ادا کرنے والوں کے درمیان معاوضوں کی مساوات ۔ پس اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہے ، وہ حقوق میں مساوات نہیں بلکہ توازن وتناسب ہے۔ اور اس حکم کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، قانونی اور سیاسی وتمدنی حقوق پوری ایمان داری کے ساتھ ادا کیے جائیں"

(2) دوسری چیز احسان ہے ۔ جس سے مراد ہے نیک برتاؤ ، فیاضانہ معاملہ ، ہمدردانہ رویہ ، رواداری ، خوش خلقی ، درگزر ، باہمی مراعات ، ایک دوسرے کا پاس ولحاظ ، دوسرے کو اس کے حق سے کچھ زیادہ دینا، اور خود اپنے حق سے کچھ کم پر راضی ہو جانا۔ یہ عدل سے زائد ایک چیز ہے جس کی اہمیت اجتماعی زندگی میں عدل سے بھی زیادہ ہے۔ عدل اگر معاشرے کی اساس ہے تو احسان اس کا جمال اور اس کا کمال ہے۔ عدل اگر معاشرے کی ناگواریوں اور تلخیوں سے بچاتا ہے تو احسان اس میں خوش گواریاں اور شیرینیاں پیدا کرتا ہے۔ کوئی معاشرہ صرف اس بنیاد پر کھڑا نہیں رہ سکتا کہ اس کا ہر

فرد ہر وقت ناپ تول کر کے دیکھتا رہے کہ اس کا کیا حق ہے اور اسے وصول کر کے چھوڑے ، اور دوسرے کا کتنا حق ہے اور اسے بس اتنا ہی دے دے۔ ایسے ایک ٹھنڈے اور کھرے معاشرے میں کشمکش تو نہ ہو گی مگر محبت اور شکر گزاری اور عالی ظرفی اور ایثار اور اخلاص و خیر خواہی کی قدروں سے وہ محروم رہے گا، جو دراصل زندگی میں لطف و حلاوت پیدا کرنے والی اور اجتماعی محاسن کو نشو و نما دینے والی قدریں ہیں۔

(3) تیسری چیز جس کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے ،صلہ رحمی ہے جو رشتہ داروں کے معاملے میں احسان کی ایک خاص صورت متعین کرتی ہے۔اس کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور خوشی و غمی میں ان کا شریک حال ہو اور جائز حدود کے اندر ان کا حامی و مددگار بنے۔ بلکہ اس کے معنیٰ یہ بھی ہیں کہ ہر صاحب استطاعت شخص اپنے مال پر صرف اپنی ذات اور اپنے بال بچوں ہی کے حقوق نہ سمجھے ، بلکہ اپنے رشتہ داروں کے حقوق بھی تسلیم کرے۔ شریعت الٰہی ہر خاندان کے خوش حال افراد کو اس امر کا ذمہ دار قرار دیتی ہے کہ وہ اپنے خاندان کے لوگوں کو بھوکا ننگا نہ چھوڑیں۔ اس کی نگاہ میں ایک معاشرے کی اس سے بدتر کوئی حالت نہیں ہے کہ اس کے اندر ایک شخص عیش کر رہا ہو اور اسی کے خاندان میں اس کے اپنے بھائی بند روٹی کپڑے تک کو محتاج ہوں۔ وہ خاندان کو معاشرے کا ایک اہم عنصر ترکیبی قرار دیتی ہے اور یہ اصول پیش کرتی ہے کہ ہر خاندان کے غریب افراد کا پہلا حق اپنے خاندان کے خوشحال افراد پر ہے۔ پھر دوسروں پر ان کے حقوق عائد ہوتے ہیں۔ اور ہر خاندان کے خوش حال افراد پر پہلا حق ان کے اپنے غریب رشتہ داروں کا ہے، پھر دوسروں کے حقوق ان پر عائد ہوتے ہیں۔

اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس معاشرے کا ہر واحدہ (unit) اس طرح اپنے اپنے افراد کو سنبھال لے ،اس میں معاشی حیثیت سے کتنی خوش حالی، معاشرتی حیثیت سے کتنی حلاوت اور اخلاقی حیثیت سے کتنی پاکیزگی و بلندی پیدا ہو جائے گی[22]

اس سے معلوم ہوا کہ معاشرہ کس چیز سے تلخیوں اور ناگواریوں سے بچ کر محبتوں اور شیرینیوں سے بھر سکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اس کے اندر عدل ہو، اور ایک دوسرے کے ساتھ احسان یعنی اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح۔ اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ایک کھاتا پیتا اپنے رشتہ دار اور

قریبی لوگوں کا خیال رکھتے ہوئے کسی کا محتاج نہ کرنے دے، تاکہ ان کی عزت مجروح نہ ہو۔یہی اصل معاشرے کی روح ہے جس کی بناپر ایک صالح، خوشحال، وفادار اور ہمدردانہ معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔

معاشرتی تعلقات

مولانا مودودی سورۃ البقرۃ آیۃ نمبر 27

"الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ"

کی تشریح میں تعلقات کا وسیع تر مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

" جن روابط کے قیام اور استحکام پر انسان کی اجتماعی و انفرادی فلاح کا انحصار ہے، اور جنھیں درست رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے، ان پر یہ لوگ تیشہ چلاتے ہیں۔ اس مختصر سے جملہ میں اس قدر وسعت ہے کہ انسانی تمدّن و اخلاق کی پوری دنیا پر، جو دو آدمیوں کے تعلق سے لے کر عالمگیر بین الاقوامی تعلّقات تک پھیلی ہوئی ہے، صرف یہی ایک جملہ حاوی ہو جاتا ہے۔ روابط کو کاٹنے سے مراد محض تعلّقات انسانی کا انقطاع ہی نہیں ہے، بلکہ تعلقات کی صحیح اور جائز صُورتوں کے سوا جو صورتیں بھی اختیار کی جائیں گی، وہ سب اسی ذیل میں آجائیں گی، کیونکہ ناجائز اور غلط روابط کا انجام وہی ہے، جو قطع روابط کا ہے، یعنی بین الانسانی معاملات کی خرابی اور نظام اخلاق و تمدّن کی بربادی۔ (23)

اسلامی اخلاقیات کی طاقت

مولانا مودودی اسلامی اور بنیادی اخلاقیات کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ان دونوں کی مجموعی اور پھر ان دونوں میں ترجیحی بنیادوں پر اسلامی اخلاق کی اہمیت بیان کرتے ہیں، کہ بنیادی اخلاق بھی ضروری ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلامی اخلاق کی طاقت بھی بہت بڑی طاقت ہے۔ فرماتے ہیں:

" جہاں اخلاقی طاقت میں اسلامی اور بنیادی دونوں قسم کے اخلاقیات کا پورا زور شامل ہو وہاں مادی وسائل کی انتہائی کمی کے باوجود اخلاق کو آخر کار ان تمام طاقتوں پر غلبہ حاصل ہو کر رہتا ہے جو مجرد بنیادی اخلاقیات اور مادی سروسامان کے بل بوتے پر اٹھی ہوں۔ اس نسبت کو یوں سمجھیے کہ بنیادی اخلاقیات کے ساتھ اگر سو درجے مادی طاقت کی ضرورت ہوتی تو اسلامی اور بنیادی اخلاقیات کی مجموعی

قوت کے ساتھ صرف 25 درجے مادی طاقت کافی ہوجاتی ہے، باقی 75 فی صدی قوت کی کمی کو محض اسلامی اخلاق کا زور پورا کردیتا ہے۔ بلکہ نبی ﷺ کے عہد کا تجربہ تو یہ بتاتا ہے کہ اسلامی اخلاق اگر اس پیمانے کا ہو جو حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کا تھا تو صرف پانچ فی صدی مادی طاقت سے بھی کام چل جاتا ہے ۔یہی حقیقت ہے جس کی طرف آیت "اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوا مِائَتَیْنِ "(24) میں اشارہ کیا گیا ہے "(25)

ایک بنیادی انسانی اخلاقیات ہیں، اور دوسرے اسلامی اخلاقیات ہیں۔بنیادی انسانی اخلاقیات سے مراد ہر وہ اخلاق اور خصائل و خصوصیات ہیں جو دنیا میں کسی انسان کی کامیابی کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ خواہ وہ بندہ مومن ہے یا کافر، نیک ہے یا بد، جو بھی ہے لیکن وہ اخلاقیات جو دنیا میں کامیابی کے لیے شرط ہیں ان سے مالامال ہے تو دنیاوی کامیابی اسی کی مقدر ہے۔ البتہ جو بنیادی انسانی اخلاقیات کے ساتھ ساتھ اسلامی اخلاقیات کے بھی حامل ہو، تو یقیناً ان کے لیے کامیابی دور کی بات ہی نہیں۔ اور جو بندہ صرف اسلامی اخلاقیات کا حامل ہے تو جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کامیابی اس کا مقدر ہے۔

---

1 ۔http://mawdoo3.com/مفهوم_العائلة_ووظائفها#27/01/2018/

2 ۔http://mawdoo3.com/مفهوم_العائلة_ووظائفها#27/01/2018/

3)۔ ندوی۔ ڈاکٹر رضی الاسلام، اسلام کے عائلی قوانین تاریخ۔28/2/2018::وقت:۔12:00/
http://www.raziulislamnadvi.com

4)اسلام کے عائلی قوانین تاریخ۔28/2/2018::وقت:۔12:00

5)خالد علوی۔ ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور/2009/ص5-14

6)مودودی۔سید ابوالاعلیٰ، اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات، اسلامک پبلیکشنز پرائیویٹ لمیٹڈ لاہور، مارچ 2008ء، ص271

7)مودودی۔ سید ابوالاعلی، اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات، ص271

8)مودودی۔ سید ابوالاعلی، اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات، ص272

9)ایضاً

10)مودودی۔ سید ابوالاعلی، اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات، ص273

11)ایضاً

12) بخاری۔ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاري، الطبعة الهندية، ج1ص3090

13)مودودی۔ سید ابو الاعلی، اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات، ص274

14)ایضاً، ص276

15)ایضاً، ص271-277

16)مودودی۔ سید ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، اکتوبر2014، ج3ص315۔317

17)مودودی۔ سید ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، اکتوبر2014، ج4ص67

18)مودودی۔ سید ابو الاعلی، تفہیم القرآن، ج4ص120

19) تفہیم القرآن، ج4ص131

20)مودودی۔ سید ابو الاعلیٰ، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ لمیٹڈ) لاہور، نومبر1997، ص74

21)سورة النحل، آیة90

22) تفہیم القرآن، ج2، ص565۔566

23) تفہیم القرآن، ج1، ص60

24)سورة انفال، آیة65

25)مودودی۔ سید ابو الاعلیٰ، تحریک اور کارکن، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، 1975، ص39